حالات وواقعات

وارث مظہری*

آزادی فکر ونظر اور مسلم معاشرے کی صورت حال

[یہ مقالہ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کی طرف سے 13-12 اکتوبر 2013 کو

''تصور آزادی اور فقہ اسلامی میں اس کی تطبیق'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں پیش کیا گیا]

آزادی فکر ونظر انسانی فطرت کا لازمی تقاضا ہے۔ انسان حیوان ناطق ہے۔ اسے عقل اور قوت تفکیر سے نوازا گیا ہے جس کے ذریعے وہ خیر وشر میں تمیز کرتا ہے اور جس کی بنیاد پر اس سے فطرت کا مطالبہ ہے کہ وہ خود اپنی ذات وکائنات میں غور کر کے اپنے وجود کے مقصد کی دریافت کرے۔ قرآن میں درجنوں مقامات پر تقلیدی روش اختیار کرنے کے بجائے انسان کو عقل کے استعمال پر ابھارا گیا ہے اور عقل وفکر کو پس پشت ڈال دینے والوں کو اس معاملے میں جانوروں بلکہ ان سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ (الاعراف: 179) اس لحاظ سے دوسرے تمام قابل ذکر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کو عقل وفکر کا مذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل انسانی عقل تقلید وروایت پرستی اور اساطیر واوہام کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھی۔ تاریخ انسانی میں یہ سہرا بلا شبہ اسلام کے سر ہی جاتا ہے کہ اس نے اس کو ان زنجیروں سے آزاد کیا۔ اسلام میں اقدامی سطح پر جس فتنے کے استیصال کے لیے جہاد وقتال کی اجازت دی گئی، وہ دراصل مذہبی تعذیب کی وہ صورت حال تھی جو وقت کی مطلق العنان طاقتوں نے ہر اس شخص کے لیے روا رکھی تھی جو ''الناس علی دین ملوکھم'' کے کلیے سے انحراف وانکار کی روش اختیار کرتے ہوئے فکر وعقیدے کی آزادی کا قائل ہو۔ اسلام نے ہر فرد مسلم کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا مکلّف بنایا ہے اس کا بھی تقاضا ہے کہ اس کو اظہار رائے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ رسول اللہ نے سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے اور اس کو راہ حق کی طرف تلقین کو افضل جہاد قرار دیا ہے۔ (1)

اسلام کی نظر میں فکری تکثیریت، خواہ اس کا تعلق انسان کے حیات وکائنات کے نظریے (world view) یا بالفاظ دیگر عقیدے سے ہی کیوں نہ ہو، انسانی فطرت کا اقتضا اور اس کائنات کے بنائے ہوئے نقشے کے عین مطابق ہے، اس لیے اس نقشے کو نہ تو چیلنج کرنا ممکن ہے اور نہ چیلنج کرنا۔ قرآن کی متعدد آیات میں اس پہلو کو واضح کرنے کی

* w.mazhari@gmail.com

کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **قل الحق من ربکم فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر** ۔ ''کہہ دیجیے کہ حق اللہ کی طرف سے ہے۔ تو جو چاہے ایمان کا راستہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کا''۔ (الکہف: 29). **لو شاء ربک لامن من فی الارض کلھم جمیعا افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین** ''اگر آپ کا رب چاہتا تو دنیا کے تمام لوگ ایمان قبول کر لیتے۔ کیا لوگوں کو مومن بنانے کے لیے آپ ان کے ساتھ زبردستی کریں گے؟'' (یونس: 99)) دوسری جگہ کہا گیا ہے: **ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ** ''اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو صرف ایک امت بنا دیتا۔'' (المائدہ: 48) **ھو الذی خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن** '' اللہ نے ہی تمہاری تخلیق کی ہے تو تم میں کچھ لوگ مومن ہیں اور کچھ لوگ منکر'' (التغابن: 2)۔ اس طرح مومن کے ساتھ منکر ہونے کو ایک ابدی اور فطری حقیقت کے طور پر خود قرآن میں تسلیم کیا گیا ہے۔

اسلام میں فکر ورائے کی ایک اہم اساس مشورہ کا اصول ہے جس کے متعدد روشن نمونے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتے ہیں۔ آپ اجتماعی معاملات میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے تھے۔ مختلف جنگوں کے مواقع پر آپ نے صحابہ کرام کے مشوروں پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ آپ اپنی ازواج مطہرات سے بھی مشورہ کرتے تھے۔ (2) چناں چہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے اپنی زوجہ مکرمہ ام سلمہ کے مشورے پر عمل کیا۔ مختلف احادیث میں رسول اللہ نے مشورہ کرنے اور مشورہ کے مطابق اقدام پر زور دیا۔ مشورے کے علاوہ رسول اللہ کا ایک اسوہ اصحاب کرام کو اجتہاد کی روش اختیار کرنے کی ترغیب دینا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل سے تعلق رکھنے والا مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے انہیں یمن روانہ کرتے وقت دریافت کیا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ کتاب اللہ کی روشنی میں۔ آپ نے پوچھا کہ اگر تمہیں کتاب اللہ میں متعلقہ حکم نہ ملے تو؟ انہوں نے فرمایا اللہ کے رسول کی سنت میں۔ آپ نے سوال کیا کہ اگر اس میں بھی تم وہ مسئلہ نہ پاؤ تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ نے جواب دیا پھر میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا (**اجتھد ولا آلو**)۔ اس پر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: ''اللہ کے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں جس نے اللہ کے رسول کے رسول کو توفیق سے نوازا''۔ (3)

اس طرح آپ نے عقبہ بن عامر اور ان کے ساتھ ایک دوسرے صحابی سے فرمایا کہ: **اجتھدوا فان اصبتما فلکم عشر حسنات وان اخطأتما فلکما حسنۃ** ' (4) ''تم اجتہاد کرو، اس میں اگر تم نے صحیح اجتہاد کیا تو تم کو دس نیکیاں ملیں گی اور اگر تم سے اس میں خطا سرزد ہوئی تب بھی تمہیں ایک نیکی ملے گی۔'' ذخیرہ احادیث میں اس مفہوم کی متعدد روایات ہیں۔

ڈاکٹر طہ جابر جابر علوانی لکھتے ہیں کہ حریت عقیدہ کی قرآن کی کم از کم دو سو آیات میں ضمانت دی گئی ہے۔ (5) حریت عقیدہ کے تعلق سے سب زیادہ بحث ومناقشے کا موضوع اسلامی فقہ میں ارتداد کی سزا کا مسئلہ ہے۔ علما کی ایک جماعت اس بات کی قائل رہی ہے کہ ہر صورت میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے، لیکن غالب موقف بہرحال یہی رہا ہے کہ ارتداد کی راہ اختیار کرنے والا شخص قابل قتل ہے۔ تاہم رسول اللہ کے تعلق سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آپ نے کسی کو اس جرم میں قتل نہیں کرایا۔ ڈاکٹر علوانی لکھتے ہیں: **انہ من الثابت المستفیض انہ لم یقتل مرتدا طیلۃ**

حیاتہ الشریفۃ ”یہ بات پورے طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ نے اپنی پوری زندگی میں کسی کو ارتداد کے جرم میں قتل نہیں کرایا“۔(6)ابن الطلاع کا قول ہے کہ کسی مشہور کتاب میں یہ مذکور نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مرتد یا زندیق کو قتل کرایا ہو۔(7)اس لیے صحابہ میں حضرت عمر فاروق اور فقہا میں امام نخعی اور سفیان ثوری کی رائے یہ رہی ہے کہ ان سے ہمیشہ توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، انہیں قتل نہیں کیا جائے گا: یستتاب ابدا و لا یقتل ۔(8)یوسف قرضاوی کے نزدیک ارتداد کی دو قسمیں ہیں: ا۔خاموش ارتداد (ردۃ صامتۃ) جس کا وبال فرد کی اپنی ذات تک محدود ہو اور ۲۔علانیہ اور دوسروں کو اپنی طرف دعوت دینے والا (ردۃ مجاھرۃ داعیہ)۔ان میں سے دوسری قسم کے مرتدین قابل قتل ہیں۔پہلی قسم کے مرتدین سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔(9) نیز اس بات پر فقہا کے درمیان اتفاق ہے کہ ارتداد میں ملوث ہونے والی عورتوں کو بہر حال قتل نہیں کیا جائے گا۔اس سے بھی اس موقف کو تقویت ملتی ہے کہ وہ ارتداد موجب قتل ہے جو محاربہ کے ہم معنی ہو۔اس لیے یہ موضوع بہر حال غور وفکر کا متقاضی ہے۔یہاں اس مسئلے کے دوسرے پہلوؤں پر تفصیل سے بحث ممکن نہیں ہے۔

رسول اللہ کی سیرت طیبہ میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ فرد کو فکر ورائے کی مکمل آزادی دیتے تھے اور خاص طور پر عقیدے کے باب میں کسی قسم کے جبر کو پسند نہیں کرتے تھے۔دین میں جبر واکراہ کو ممنوع قرار دینے والی مشہور آیت: لا اکراہ فی الدین کا شان نزول حضرت ابن عباس سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ: مدینہ کی ایسی عورتیں جن کو اولاد نہیں ہوتی تھی وہ اس بات کی نذر مان لیتی تھیں کہ اگر انہیں اولاد ہوئی تو وہ اس کو یہودی بنادیں گی۔چناں چہ جب قبیلہ بنونظیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تو مدینہ کے ایسے مسلمان جو اس طرح یہودی بن گئے تھے، ان کے والدین رسول اللہ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے کہا کہ ہم ایسا جاہلیت میں اس وقت کرتے تھے جب ہم یہود کے مذہب کو اپنے سے بالا و برتر سمجھتے تھے، لیکن اب جب کہ اسلام کی شکل میں حق ہمارے پاس آچکا ہے تو اب ہم اپنے بچوں کو کیوں نہ مجبور کریں کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(10)

اسلامی تہذیب کی شاندار روایت:

عہد نبوی کے علاوہ صحابہ وتابعین اور ان کے بعد مسلمانوں کے دور زریں میں اور تہذیبی عروج کے زمانے میں حریت فکر ونظر اور آزادی اظہار رائے کی نہایت اعلی مثالیں ملتی ہیں۔صحابہ کرام میں حضرت عمر کے تعلق سے آزادی اظہار رائے کے متعدد نادر واقعات مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ایک واقعہ جو حضرت امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے، یہ ہے کہ: ایک شخص نے حضرت عمر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے عمر! اللہ سے ڈرو۔اور بار بار اس کو دہرایا۔حاضرین میں سے کسی نے اس شخص کو اس پر ٹوکا کہ اب چپ ہو جاؤ امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ چکے۔حضرت عمر نے اس پر جو جملہ ارشاد فرمایا، وہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔آپ نے فرمایا: ”اس کو کہنے دو۔اس لیے کہ تم میں کوئی خیر نہیں اگر تم ایسی بات مجھ سے نہ کہو اور ہمارے اندر کوئی خیر نہیں اگر ہم اس کو قبول نہ کریں“ (لا خیر فیکم ان لم تقولوھا ولا خیر فینا ان لم نسمعھا)۔(11)

یہ نہایت قابل غور پہلو ہے کہ صحابہ اور ائمہ محدثین میں سے جلیل القدر شخصیات سے ایسے اقوال وفرمودات مشہور

ہیں جن کے حاملین پر آج آسانی کے ساتھ بدعت وزندقہ سے اوپر بڑھ کر نعوذ باللہ کفر کا حکم چسپاں کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قرآن کی آخری دونوں سورتوں (معوذتین) کو قرآن کی سورت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ دعا ہے جو جھاڑ پھونک کے لیے نازل کی گئی تھی۔(12) حضرت عبداللہ ابن عمر کتابیہ سے نکاح کے قائل نہیں تھے۔ حالاں کہ یہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ حضرت ابوطلحہ روزے کی حالت میں اولہ کھانے کو، حضرت ابوحذیفہ سورج نکلنے تک سحری کھانے کو جائز سمجھتے تھے۔(13) حضرت عمر، عبداللہ ابن مسعودؓ، ابوہریرہ، عبداللہ ابن عباس، ابوسعید اور تابعین میں امام شعبی اور اور بعد کے اہم علما میں ابن تیمیہ اور ابن قیم اس بات کے قائل تھے کہ ایک دن جہنم کو فنا کر دیا جائے گا اور بالآخر کفار بھی جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔(14)۔ حضرت ابوذر غفاری ایک دن سے زائد مال جمع کرنے کو کنز تصور کرتے تھے اور اسے حرام و ناجائز سمجھتے تھے۔ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود نے تقریباً سو مسائل میں حضرت عمر فاروق سے اختلاف کیا۔(15) لیکن اس کے باوجود عمران کو علم وفقہ سے بھرا ہوا پیالہ (کنیف مُلیءَ فقها و علما) سمجھتے تھے۔

اسلام کے عہد زریں میں باطل فرقوں کی کثرت تھی۔ معتزلہ، جہمیہ حشویہ، قدریہ ان سب میں سب سے زیادہ شدت پسند فرقہ خوارج کا تھا، لیکن اہل سنت والجماعت کے علما نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ بلکہ امام تیمیہ سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل ان فرقوں کے ائمہ کے پیچھے نماز تک پڑھ لیتے تھے: **قد نقل ابن تیمیه ان الامام احمد بن حنبل لم یکفر هذه الفرق(القدریة والجهمیة وغیرها) بل صلی(احمد بن حنبل) رضی الله عنه خلف بعض الجهمیة و بعض القدریة و ان اکبر ما توصف به کل تلک الفرق عند ابن تیمیه هو الفسق** ۔''امام ابن تیمیہ سے منقول ہے کہ امام احمد بن حنبل نے (جہمیہ اور قدریہ جیسے) گمراہ فرقوں کی کبھی تکفیر نہیں کی۔ بلکہ انہوں نے بسا اوقات جہمیہ یا قدریہ کے پیچھے نماز تک ادا کی۔ زیادہ سے ابن تیمیہ ان فرقوں کو فاسق قرار دیتے تھے''۔(16)

محدثین ومفسرین کی رواداری کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے ان کی روایات تک اپنی کتابوں میں شامل کی ہیں۔ ان میں خود امام بخاری بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اہل بدعت اور شیعہ راویوں کی روایتیں اپنی الجامع الصحیح میں شامل کی ہیں۔ اس کی متعدد حیرت انگیز مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ عمران بن حطان بخاری کے رواۃ میں سے ہیں۔ یہ اپنے ہم مسلک خوارج کے سردار اور خارجیت کے اتنے بڑے علم بردار تھے کہ جب ابن ملجم نے حضرت علی کو قتل کیا تو اس پر انہوں نے نہایت مسرت انبساط کا اظہار کیا۔ ابن ملجم کی موت پر انہوں نے اس کا مرثیہ لکھا جس کے دو اشعار سے حضرت علیؓ سے ان کی نفرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے:

یا ضربةٌ مِّنْ تقيٍّ ما ارادَ بها　　الا لِيَبْلُغَ مِنْ ذی العرشِ رِضوانا

''واہ! اس پرہیزگار نے کیا وار کیا ہے۔ یہ وار کرنے والے کی اس سے کوئی غرض نہیں تھی سوائے اس کے اس نیکی سے عرش کا مالک خدا راضی ہو جائے''۔

انِّی لأذکره یوما فأحْسِبُه　　أوفَی البریّةِ عند اللهِ میزانا

''میں جب اس وار کو یاد کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس (ابن ملجم) کی یہ نیکی تمام نیکیوں سے

بڑھ جائے گی۔''(17)

غور کرنے کی بات ہے کہ عمران بن حطان کی دو روایتیں بخاری کتاب اللباس میں موجود ہیں۔(18)۔اسی طرح ابوداؤد اور امام نسائی نے بھی ان کی روایتیں اپنی سنن میں لی ہیں۔ پاکستان کے مفتی سعید خان صاحب لکھتے ہیں:

''بدعتیوں کے تمام فرقہ باطلہ خوارج ،شیعہ، قدریہ ،مرجئہ ،معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ سے اہل السنّت والجماعت کے ائمہ حدیث ،تفسیر اور فقہ وتاریخ نے ان گنت روایات لی ہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ کوئی بھی صاحب مطالعہ مفسر، محدث ،فقیہ یا مؤرخ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔اسماء الرجال کی کتابوں میں اگر کوئی ابان بن تغلب ،سعید بن فیروز ،سعید بن عمرو ہمدانی ،عبداللہ بن عیسی کوفی ،عدی بن ثابت ،محمد بن جحادہ اور زاذان کندی وغیرہ کے حالات کا مطالعہ کرے گا تو ہماری گزارشات کی تصدیق ہو جائے گی''۔(19)

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمے ''ہدی الساری'' میں اٹھارہ ایسے رواۃ کا تذکرہ کیا ہے جو شیعہ تھے اور ان کی روایات بخاری (20) میں موجود ہیں۔(21)۔بخاری میں کم از کم ایک رافضی کی بھی روایت موجود ہے، حالاں کہ عام طور پر محدثین نے تشیع اور رفض میں فرق کرتے ہوئے اہل تشیع کی روایات تو قبول کی ہیں ،لیکن رافضی کی روایات کو لینے سے احتراز کیا ہے۔یہ رافضی راوی عباد بن یعقوب الرواجنی الکوفی ابوسعید ہیں۔ابن حجر نے ان کے بارے میں جو کچھ فتح الباری کے مقدمے ہدی الساری میں لکھا ہے، وہ بے کم وکاست یہاں نقل کر دینا کافی ہے۔لکھتے ہیں: **رافضی مشہور الا انہ کان صدوقا وثقہ ابو حاتم،وقال الحاکم کان ابن خزیمہ اذا حدث عنہ یقول حدثنا الثقۃ فی روایتہ، المتہم فی رأیہ عباد بن یعقوب.وقال ابن حبان کان رافضیا داعیۃ وقال صالح بن محمد کان یشتم عثمانؓ.قلت روی عنہ البخاری فی کتاب التوحید حدیثا واحدا مقرونا و ہوحدیث ابن مسعود ای العمل افضل ولہ عند البخاری طرق اخری من روایۃ غیرہ** (22))

غور کرنے کی بات ہے کہ حدیث کی سب سے عظیم ومہتم بالشان کتاب صحیح بخاری کی سب سے مہتم بالشان حصے کتاب التوحید میں ایک رافضی کی روایت موجود ہے۔محدثین نے اہل بدعت وہوی کی روایات اس اصول کے تحت اپنی کتابوں میں لی ہیں کہ وہ جھوٹ سے بچنے والا اور صادق اللسان ہو(صدوق)اور اپنے مذہب کا داعی نہ ہو۔ابن حجر نے اس تعلق سے محدثین اور اصحاب علم کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں۔ایک قول یہ نقل کیا ہے: **ان یکون داعیۃ لبدعتہ او غیر داعیۃ،فیقبل غیر داعیۃ و یرد حدیث الداعیۃ.وہذا المذہب ہو الاعدل وصارت الیہ طوائف من الائمۃ و ادعی ابن حبان اجماع اہل النقل علیہ لکن فی دعوی ذلک نظر**.(23)

مسلم معاشرے کی موجودہ صورت حال:

اہم سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آزادی فکر ونظر کی صورت حال کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ اسلام فکر ونظر کی آزادی کا داعی ونقیب ہے۔اسلام کے دور زریں میں اس کی نہایت شاندار روایت قائم رہی ہے۔معاصر اور بعد میں ظہور میں آنے والی تہذیبوں پر اس کے غیر معمولی اثرات قائم ہوئے۔تاہم جہاں تک معاصر مسلم معاشرے

کا معاملہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنی ہموار کردہ راہ پر چلنے سے گریزاں ہے۔ یہاں سیاسی اور فکری دونوں طرح کی آزادی کی صورت حال نہایت مخدوش ہے۔ جہاں تک سیاسی صورت حال کی بات ہے، اس تعلق سے مسلم ممالک کی صورت حال دنیا کے دوسرے تمام ممالک کے مقابلے میں نہایت ناگفتہ بہ ہے۔ مغرب کی مادر پدر آزادی کے تصور کو نشانہ تنقید بنانے کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے گھر کی اس صورت حال کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ فکری حلقوں کی صورت حال یہ ہے کہ اس بات کو تقریباً خاموشی کے ساتھ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ اسلاف کرام جیسی صلاحیت رکھنے والے لوگوں کی پیدائش کا سلسلہ اللہ تعالی نے بند کردیا ہے کیوں کہ ایسی صلاحیت رکھنے والے لوگوں کی اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ سادہ لوح دین پسند اذہان کے مطابق دین وشریعت کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جو سلف صالحین کی فکر ونظر کا مرکز نہ بنا ہو اور جس میں انہوں نے بعد میں آنے والوں کے لیے کوئی خلا یا گنجائش چھوڑی ہو۔ اس تعلق سے یہ مقولہ مشہور ہے کہ بھلا علمائے سلف نے پچھلوں کے لیے کام کی گنجائش چھوڑی ہی کہاں ہے؟ اجتہاد کی مزعومہ قفل بندی کے بعد یہ نظریہ آخری حد تک مستحکم ہوگیا کہ: **ما اغلقه السلف لا يفتحه الخلف**۔ ''اسلاف کرام نے اجتہاد کے جس راستے کو بند کردیا ہے، اس کو ان کے بعد آنے والے لوگ کھول نہیں سکتے''۔ اسلامی حلقوں کے اس غالب رجحان کے مطابق، گویا اصل مسئلہ سرے سے فکر کا ہے ہی نہیں! مسئلہ صرف عمل کا ہے۔ یہ دراصل ہماری عملی کوتاہیاں ہیں جنہوں نے ہمیں عروج کے میناروں سے اٹھا کر زوال کی کھائیوں میں پھینک دیا ہے۔ حالاں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد آیات سے اس کا اشارہ ملتا ہے کہ امت مسلمہ کے مسائل کا اصل سرچشمہ وہ فکری انحراف وانتشار ہے جو امت کے اندر دور زوال میں پیدا ہوجائے گا۔ چناں چہ رسول اللہ کی مشہور حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: **لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا شبر و ذراعا بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموه**'' تم لوگ گزشتہ لوگوں کی بالشت در بالشت اور دست در دست پیروی کروگے حتی کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھس جائیں تو تم بھی ایسا ہی کروگے''۔ (24)۔ بعض احادیث میں علم اٹھا لینے اور جہل پھیلنے کی بات کہی گئی ہے۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ آپ کوئی بھی بات غالب فکر سے ہٹ کر کہنے کی جرأت نہیں کرسکتے۔ اگر آپ کی طرف سے ایسی جرأت کا اظہار ہوتا ہے تو نہ صرف آپ پر کفر وزندقے کا الزام عائد ہوتا ہے بلکہ آپ کو اسلام اور اہل اسلام کا باغی تصور کیا جاتا ہے۔

عالم اسلام کے مختلف خطوں خصوصاً مصر میں ایک طرف جماعۃ التکفیر والہجرۃ اور اس طرح کی بعض دوسری جماعتوں کی تکفیری ذہنیت اور دوسری طرف فکری اباحیت پسندوں کے ایک طبقے کی طرف سے دین کے بعض اہم مسلمات پر زبان درازی کی وجہ سے مختلف مصنفین اور قلم کاروں سے متعلق تنازعات پیدا ہوتے رہے ہیں۔ بعض لوگ جن میں فرج فودہ (مصر)، مہدی عامل اور حسین مروہ (لبنان) وغیرہ شامل ہیں، کا قتل ناگہانی بھی کیا گیا اور بعض دوسرے لوگوں پر کفر وزندقہ کا ملزم قرار دے کر انہیں ملک سے چھوڑ دینے کے لیے مجبور کردیا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے بہت سے معاملات میں فکری اباحیت کے شکار لوگوں کی فکری جارحیت ہی فساد کا باعث ہوتی ہے۔ خود ان مذکورہ قلم کاروں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو فکری اباحیت کا شکار نہ ہو، لیکن ایسے مسئلے پر زیادہ شدت پسندانہ رخ اختیار کرنے کی وجہ سے اسلام

اور مسلمانوں کی شبیہ خراب ہوتی ہے۔ ایسے بہت سے مسائل کے ساتھ ازہر کے بالغ نظر علما نے نہایت حکمت اور دانائی کے ساتھ تعامل کیا اور اس کے نہایت شاندار نتائج سامنے آئے۔ اس کی مثالیں طہ جابر علوانی کی ''**اشکالیة الردة والمرتدین**'' اور دوسری کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ 1937 میں ایک مصری مصنف اسماعیل ادہم نے ''**لماذا انا ملحد**'' (میں ملحد کیوں ہوں؟) کے نام سے کتاب لکھی۔ اس کا جواب سنجیدہ طور پر علماے ازہر نے کتاب لکھ کر ہی دیا۔ مصر کے حسن حنفی اور نجیب محفوظ کے تعلق سے بھی دانش مندی کی روش اختیار کرتے ہوئے مصر کے اصحاب علم وفکر نے عوام کو یہ موقع نہیں دیا کہ وہ ان کی جان کو نشانہ بنائیں اور مسئلے سے سنجیدہ طور پر نمٹنے کی کوشش کی۔

ہندوستان میں بعض شخصیات کو ان کے بعض علمی واجتہادی نقطہ نظر کی بنا پر ملک کے بعض اہم دینی اداروں سے برطرف کر دیے جانے کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ایک قابل ذکر عالم ومصنف کو رجم کے حد شرعی نہ ہونے کے موقف پر کتاب لکھنے کی پاداش میں ایک بڑے دینی ادارے کے منصب تدریس سے مستعفی ہو کر جنوبی ہند میں پناہ لینا پڑی۔ اس نوع کی بہت سی مثالیں ہیں۔ بعض شخصیات پر جان لیوا حملے کیے جانے اور علمی حلقوں میں انہیں تقریبا اچھوت بنا دئے جانے کی بھی مثالیں موجود ہیں۔

ہمارے معاشرے میں یہ روایت بالکل نئی نہیں ہے۔ اس کی مثالیں اسلام کے دور زریں میں بھی ملتی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے سماج میں انتشار پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس کا توازن نہیں بگڑتا تھا۔ آپس کے تعلقات متاثر نہیں ہوتے تھے۔ حضرت امام شافعی کے بارے میں یونس صدفی کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ عقل مند اور روادار کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ مناظرہ کیا، پھر الگ ہو گئے۔ پھر ایک دن جب ان سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: اے ابوموسیٰ، کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم آپس میں بھائی بھائی رہیں، خواہ کسی مسئلے میں بھی متفق نہ ہوں۔ (**الا یستقیم ان یکون اخوانا وان لم نتفق فی مسئلة**) (26)

لیکن آج کی صورت حال یہ ہے کہ آج یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس کی فکر ہماری فکر سے ہم آہنگ نہیں ہے، وہ ہم سے نہیں۔ ہندوستان کے دینی حلقوں سے اس وقت بلاشبہ سیکڑوں رسائل مجلات شائع ہوتے ہیں، جن میں ایسے رسائل ومجلات کی تعداد شاید انگلیوں پر گنے جانے کے بھی قابل نہ ہو جو تعدد فکر کے حامی ومؤید ہوں۔ اکثر رسائل میں خطوط تک کی اشاعت میں یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ ان میں متعلقہ حلقے کی فکر سے متصادم کوئی بات نہ کہی گئی ہو، حالاں کہ ان رسائل میں بھی یہ روایتی جملہ زیب قرطاس ہوتا ہے کہ ''مقالہ نگار کی رائے سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں ہے۔''

دینی مدارس کی صورت حال:

دینی مدارس نظری سطح پر اس بات کی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ امت کا اختلاف رحمت ہے (**اختلاف امتی رحمة**)۔ ادب اختلاف پر تقریروں اور تحریروں کے ضمن میں اسلام کے صدر اول کی نیم افسانوی حد تک نظر آنے والی استعجاب انگیز مثالوں سے محفل سخن میں گرمی لانے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن عملی سطح پر آپ کو اس کی اجازت نہیں کہ آپ خالص مجتہد فیہ مسائل میں بھی اپنے حلقے کے موجودہ اکابر کی کسی رائے سے اختلاف کی جرأت کر سکیں۔ ہاں، فقہی مباحث میں آپ کو نہ صرف اس کی اجازت حاصل ہے بلکہ آپ کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے کہ آپ اپنے مسلکی

نقطہ نظر کی توجیہ وترجیح میں دوسرے مکاتب فقہ کے صف اول کے ائمہ ومحدثین پر پوری شدت کے ساتھ ردوقدح کریں اور انہیں ہدف تنقید بنائیں۔ یہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دیگر فقہا اور ائمہ ومحدثین کی آرا کو زیر بحث لاتے ہوئے ان پر تنقید کے ضمن میں ان کا احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے، اگرچہ یہ بات کلی طور پر درست نہیں، تاہم سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں اپنے حلقے کی اہم شخصیات کے فقہی وعلمی مواقف وآرا پر اسی درجے میں زبان کھولنے اور ردوقدح کی اجازت حاصل ہے جس درجے میں دوسرے مکاتب فقہ کی اکابر شخصیات کے خلاف اس کو جائز اور قابل ثواب تصور کیا جاتا ہے؟ ظاہر ہے، اس کا جواب نفی میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خالص علمی واجتہادی مسائل میں بھی یہ دراصل ہمارے حلقے کی نمائندہ اور مقتدا شخصیات ہیں جنہیں اصلاً دلائل وبراہین کی جگہ حاصل ہوگئی ہے۔ ہمارے دینی وعلمی حلقوں میں **انظروا الی ماقال** کے بجائے **انظروا الی من قال** کی روایت نہایت پختہ اور مستحکم ہو چکی ہے۔ امام غزالی نے مظاہر تکفیر کی رد میں لکھی جانے والی اپنی کتاب ''**فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة**'' میں لکھا ہے کہ حق سے دور اور نظریاتی افراط کا شکار ہو جانے کا ایک بڑا ذریعہ شخصیت پرستی ہے جس میں حق کو ایک شخص کے ساتھ محصور سمجھ لیا جاتا ہے۔ ان کے الفاظ میں: ''اگر تم انصاف سے کام لو گے تو تمہیں اس بات کا علم ہو جائے گا کہ بعینہ کسی ایک صاحب نظر پر حق کو موقوف کر دینے والا کفر اور تناقض سے زیادہ قریب ہے''۔ (**ان انصفت علمت ان من جعل الحقائق وقفا علی واحد من النظار بعینه فهو الی الکفر والتناقض اقرب**) (27)

اس المیے پر غور کیجیے، ہندوستان کے ایک عظیم ونامور علمی ادارے کے ایک فاضل کو اس جرم میں اس کی تحقیقی اکیڈمی سے نکال دیا گیا کہ اس نے ایک اخبار میں ادارے کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت پر مراسلہ لکھ دیا تھا۔ اسی طرح اس واقعے سے سیکڑوں لوگ واقف ہیں کہ اسی ادارے کے ناظم تعلیم نے ایک صحافی کو ایک اجتماع عام کے بعد عمومی دسترخوان سے اس جرم وگستاخی کی بنا پر کھدیڑ کر بھگا دیا گیا کہ اس نے دہلی کے ایک اردو ماہنامے میں ادارے کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت پر مضمون لکھ دیا تھا۔ بہت سے مدارس میں دوسرے مکاتب فکر کی کتابیں تک رکھنا اور پڑھنا ممنوعات میں سے ہے۔ دراصل مدارس میں حریت فکر ونظر کے خاتمے میں سب سے بڑا دخل اس مسلکی کش مکش کو ہے جس کا سلسلہ انیسویں صدی کے اواخر سے اب تک جاری ہے۔ مثالوں سے قطع نظر بظاہر ایسی کوئی علامت نظر نہیں آتی جس سے یہ امید قائم ہوتی ہو کہ مسلکی شدت پسندی اور تناؤ میں فی زمانہ کوئی کمی آئی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوپاک میں پابندی فکر ونظر کی موجودہ صورت حال میں اس وقت تک نمایاں سطح پر تبدیلی نہیں آسکتی جب تک کہ وہاں ایک متعین فقہ پر ترکیز کے بجائے یا اس کے ساتھ خالص اسلامی فقہ یا فقہ مقارن کو پڑھانے کا التزام نہ کیا جائے اور اس تناظر میں مدارس کے نصاب میں مناسب تبدیلی نہ لائی جائے۔ نیز ان کی مجموعی فضا پر حلقہ واریت کے بجائے اسلامیت کے رنگ کو پختہ کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

تکفیر کا ظاہرہ:

دور حاضر میں ہمارے علمی ودینی حلقوں میں آزادی فکر ونظر کو پابند سلاسل کرنے اور اس پر قدغن لگانے کی جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں، اس کا ایک نہایت خطرناک مظہر تکفیر کی صورت حال ہے۔ اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے

مثالی دور میں اس کے واقعات نہیں ملتے، حالاں کہ ان کے درمیان مختلف دینی امور میں شدید ترین نظریاتی اختلافات پائے جاتے تھے۔ کبھی یہ اختلافات شدید تر بھی ہو جاتے تھے۔ حضرت قدامہ بن مظعون نے جو بدری صحابی اور ام المؤمنین حفصہ کے ماموں تھے، شراب پی اور حضرت عمر کی طرف سے اس بابت سوال اور محاسبے پر اپنے اس فعل حرام کے جواز میں قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا: **لیس علی الذین آمنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا اذا ما اتقوا** (28) صحابہ کرام کے مشورے سے، جس میں حضرت علی اور عبداللہ ابن عباس شامل تھے، حضرت عمرؓ نے ان پر حد جاری کی لیکن ان کی تکفیر نہیں کی۔ سیاسی سطح پر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اختلافات نے تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا، لیکن ان نظری و سیاسی اختلافات نے کبھی تکفیر کی شکل اختیار نہیں کی۔ خوارج حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ سمیت اکثر صحابہ کی تکفیر کرتے اور انہیں مباح الدم سمجھتے تھے، لیکن حضرت علیؓ نے ان کی تکفیر نہیں کی۔ اس تعلق سے ایک شخص کے سوال کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ وہ کفر سے ہی تو بھاگے ہیں۔ (**من الکفر فروا**) جب ان سے پوچھا گیا کہ پھر ان پر کیا حکم لگایا جائے تو انہوں نے فرمایا: **اخواننا بغوا علینا**''، وہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے خلاف باغی ہوگئے ہیں''۔ (29)۔ فقہا و محدثین کی جماعت میں اس تعلق سے احتیاط کی روش پائی جاتی تھی۔ وہ حکمِ شرعی کا اطلاق فرد کی ظاہری حالت پر کرتے ہوئے باطن کی کیفیت کو خدا پر چھوڑنے کے قائل تھے۔ اسلاف کا مسلک تھا کہ ہم ظاہر حال پر حکم لگاتے ہیں اور چھپے ہوئے احوال کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ (**نحن نحکم بالظواھر ونولی الی اللہ السرائر**) اس لیے جو لوگ دین کے اساسی اعتقادات پر ایمان لاتے ہوئے خود کو مسلمان کہتے تھے، انھیں مسلمان سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے جیسا کہ اوپر گزرا، خوارج، معتزلہ، جہمیہ، یا قدریہ جیسی جماعتوں کے ضلال وانحراف کے اظہر من الشّمس ہو جانے اور ان سے ہر طرح اختلاف کے باوجود علمائے اہل سنت اس نکتے پر متفق رہے کہ ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

البتہ متاخرین فقہا میں جب تقلیدی جمود پیدا ہوا، ان کے ایک طبقے میں دنیاداری سرایت کر گئی اور اس نے بڑے بڑے سرکاری مناصب کے حصول کے لیے فقہ کو پڑھنا شروع کر دیا جس پر امام غزالیؒ جیسے لوگوں نے شدید تنقید کی ہے۔ (30) اس سے علما کے درمیان حلقہ بندی میں شدت پیدا ہوئی۔ فقہ میں انتشار کی کیفیت جو بعد کے ادوار میں پیدا ہوگئی تھی، اس میں سنگین اضافہ ہو گیا اور یہ شعبہ انحطاط کا شکار ہوتا چلا گیا۔ باہمی کشمکش کے اس ماحول میں تکفیر کو ایک اہم ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا۔ ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں غزالی نے لکھا ہے کہ: ''غلطی سے ایک ہزار کفار کو چھوڑ دینا اس کے مقابلے میں ہلکا ہے کہ غلطی سے ایک مسلمان کا (اس پر کفر کے اطلاق کے بعد مرتد کی سزا کے طور پر) خون بہایا جائے'' (31) فیصل التفرقۃ میں انہوں نے یہ بامعنی بات لکھی ہے کہ تکفیر میں تو خطرہ ہے، لیکن سکوت میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ (32)

پس چہ باید کرد!

ہمارے علمی و دینی حلقوں میں فکر و نظر اور اظہار رائے کی آزادی کے تصور کی عملی سطح پر بحالی کے لیے مختلف سطحوں پر اقدامات کی ضرورت ہے۔ حقیقت یہ کہ ہم اصولی سطح پر اس کے جتنے بھی حامی و مدعی ہوں، لیکن عملی سطح پر ہم اس کے

لیے تیار و آمادہ نہیں ہیں۔ ہمارے علمی و دینی حلقے اس خوف و اندیشے میں مبتلا ہیں کہ فکر و نظر اور اظہار رائے کی آزادی مسلم معاشرے کو مغرب کی راہوں پر ڈال دینے کا باعث ہوگی جس کے نتیجے میں مغرب کے نمونے پر مسلم معاشرے میں فکری اباحیت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ مغرب کے طرز پر فکر و نظر کی مکمل آزادی مکمل اباحیت کا دوسرا نام ہے۔ اس سلسلے میں مغرب کی تقلید نہ صرف مذہبی بلکہ انسانی اقدار و روایات اور شرافت و تہذیب کے معیارات کو بھی ملیامیٹ کر کے رکھ دے گی۔ تاہم اہمیت کی بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں خود اسلامی تہذیب کا ورثہ نہایت متمول اور وسیع ہے۔ ممکن ہے اس کے بعض ادوار میں چنداں افراط و تفریط کی صورتیں بھی پائی جاتی ہوں لیکن فی نفسہ اس میں بہت حد تک اعتدال نظر آتا ہے۔ عباسی دور میں مانوی، دیصانی، راوندی جیسے باطل فرقوں کی وہ کثرت تھی کہ عباسی حکم راں مہدی کو باضابطہ اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے حکوتی سطح پر الگ سے ایک شعبہ قائم کرنا پڑا جس کے تحت ایک طرف ان کے خلاف مقدمات قائم کیے جاتے تھے، لیکن دوسری طرف باضابطہ اہل علم سے کتابیں لکھوا کر فکری سطح پر ان کے رد کی بھی کوشش کی جاتی تھی۔ (33)۔ اس دور کے مشہور زنادقہ میں حماد عجرد، حماد الراویہ، مطیع ابن ایاس، ابن ابی العوجاء، صالح بن عبدالقدوس اور بابک خرمی جیسوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ (34) یہ لوگ ہند و عجم کے افکار سے متاثر ہو کر اسلامی مسلمات کو نشانہ بناتے تھے، لیکن اللہ کی بنائی ہوئی فطرت " **اما الزبد فیذھب جفاء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** " کے تحت ان کی کتابیں فنا کے گھاٹ اتر گئیں یا پھر وہ آج محض تحقیق و مطالعہ کے لیے لائبریریوں کی زینت ہیں۔ اسلامی سماج پر ان کے اثرات بعد میں باقی نہیں رہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علمی حلقوں خصوصاً مدارس و جامعات اور فکری اداروں میں آزادی فکر و نظر کی روایت کو دوبارہ بحال کرنے کو مرکز توجہ بنایا جائے۔ تنقید ذات (self criticism) کو رواج دینے اور پوری جرأت و حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے علمی و تہذیبی ورثے کی تنقیح و تنقید کی کوشش کی جائے۔ یہ کام عقل و فکر اور اظہار رائے کی آزادی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عرب ممالک کی موجودہ صورت حال طٰہ جابر علوانی (35) اور نجات اللہ صدیقی (36) کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں یہ ہے کہ وہاں طلبہ کو علمی و فکری موضوعات پر اس بات کی اجازت ہی حاصل نہیں ہے کہ وہ کھل کر ان میں غور و فکر کر سکیں اور اپنی رائے قائم کر سکیں۔ ان کے لیے کسی بھی صورت میں یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہ لکھ سکیں کہ فلاں مسئلے میں میری رائے یہ ہے۔ پی ایچ ڈی کے مناقشوں میں اس طرح کی جرأت مندی کا اظہار کرنے والوں کے مقالے کو رد کر دیا جاتا ہے۔ ہند و پاک کے علمی حلقوں میں بھی غالب صورت حال تقریباً یہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس صورت حال میں جب تک اعتدال کے ساتھ خوش گوار تبدیلی نہ آئے، اس وقت تک ہمارا فکری قافلہ اپنی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتا اور ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ امت مسلمہ خود مسلط کردہ تہذیبی زوال کے دائروں سے خود کو نکال پائے گی۔

حواشی و حوالہ جات:

(1) رسول اللہ کی مشہور حدیث ہے: **افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جائر۔ مسلم**

(2) رسول اور اصحاب رسول کی سیرت کے مقابلے میں یہ موضوع حدیث امت میں پھیلانے کی کوشش کی گئی کہ: عورتوں سے

مشورہ اور وہ جو کچھ وہ مشورہ دیں ان کے خلاف کرو(شاوروهن وخالفوهن)

(3)احمد بن حنبل: جلد5 مسند احمد، بیروت، دارالکتب العلمیہ ،2008،ص،236

(4) ابوحامد الغزالی:المستصفی ج:2 ،بیروت :دارالکتب العلمیہ ،1413،ص،355

(5) طہ جابر علوانی :اشکالیة الرد ۃ و المرتدین من صدر الاسلام الی الیوم .قاھرہ،مکتبه الشروق الدولیه ، ،2006،ص،138

(6): ایضا ص165

(7) ایضا ص،166 بحوالہ عمدۃ القاری ج،اا،ص،235۔

(8) یوسف قرضاوی:فی فقہ الاولویات: قاہرہ،مکتبہ وہبہ 2005 ص140

(9) ایضا

(10) قرطبی: الجامع لاحکام القرآن: دارالکتب العلمیہ ،بیروت،1988،ج،3 ص183-182

(11) ابویوسف: کتاب الخراج ،مکتبہ مشکاۃ الاسلامیۃ روایت نمبر32 ص12 ، یہ کتاب ہم نے نیٹ سے ڈاؤن لوڈ کی ہے اور اس نسخے میں دیگر تفصیلات درج نہیں ہیں۔

(12) قرطبی:ج،20،ص،172

13)ابن تیمیہ:قاعدة جليله فى التوسل والوسيله لاہور:ادارہ ترجمان السنۃ بدون سنہ ص104-103

(14) ابن قیم:حادى الارواح الى بلاد الافراح مکتبہ المتنبی ،قاہرہ بدون سن ص،247-ابن قیم نے اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہ اور اپنے موقف کی حمایت میں اس کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ یہ موقف جمہور امت سے یقیناً ہٹا ہوا ہے،لیکن ابن قیم کی اس موضوع پر بحث (دیکھیے مذکورہ کتاب ص،246 تا 271) پڑھنے کے لائق ہے۔ یوسف قرضاوی :فتاوی یوسف قرضاوی،(اردو ترجمہ ''فتاوی معاصرہ''مترجم سید زاہد اصغر فلاحی)، دہلی: مرکزی مکتبہ اسلامی،2005 ص62

(15) طہ جابر علوانی:ادب الخلاف، ورجینیا،امریکا،المعہد العالمی للفکر الاسلامی 1991 ص،63

(16) جمال بنا:حرية الفكر والاعتقادفى الاسلام،قاهره:دارالفكر الاسلامی، بدون سنہ

(17)(سیر اعلام النبلاء: بحوالہ http://ar.wikisource.org مزید تفصیل اس سائٹ پر موجود ہے:http://www.ahlalhdeeth.com/vb/showthread.php?t=283236)

(18) محمد بن اسماعیل البخاری: الجامع الصحیح :کتاب اللباس ،باب لبس الحریر وافتراشہ للرجال وقدر مایجوز منہ، دار عالم الکتب ،ریاض1996 جلد،7ص،45۔ فتح الباری میں ابن حجر نے اس روایت کے تحت عمران بن حطان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:و عمران هو السدوسى كان احد الخوارج من العقدية بل هو رئيسهم وشاعرهم و هو الذى مدح ابن ملجم قاتل على بالابيات المشهورة و ابو حطان ... وانما اخرج له البخارى على قاعدته فى تخريج احاديث المبتدع اذا كان صادق اللهجة متدينا وقد قيل ان عمران تاب من بدعته وهو بعيد.فتح البارى بشرح صحيح البخارى، ج،8 ص،338 . دیوبند: مکتبہ شیخ الہند،2006۔ اہل بدعت کے تعلق سے محدثین کے موقف پر ابوداؤد کے اس قول سے روشنی پڑتی ہے:

امام ابوداؤد نے فرمایا: ''ليس فى اهل الاهواء اصح حديثا من الخوارج'' اہل ہوئی کے اندر حدیث کی روایت میں

خوارج سے زیادہ صحیح فرقہ کوئی اور نہیں ہے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج۴ص،214 موسسہ الرسالہ ط۳ 1985)

(19) مقالہ ''اہل بدعت کی روایات'': ماہنامہ الندوۃ، اسلام آباد، دسمبر 2011 ص، 11

(20) الصحیح البخاری، حدیث نمبر 3197

21۔ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، دیوبند: مکتبۃ شیخ الہند، 2006 دیکھیے الفصل التاسع ص، 540-535

22۔ ایضا ص، 466-465

23۔ ایضا ص، 455

(24) بخاری کتاب الفتن باب ظہور الفتن ج، 8 ص، 89

(25) اس کتاب کے مصنف محمد عیسی انصاری ہیں۔ کتاب مکتبہ فہم قرآن وسنہ، لاہور، سے 2011 میں شائع ہوئی ہے۔

(26) سیر اعلام النبلاء ج، 10 ص، 16

(27) ابوحامد غزالی: فیصل التفر قہ بین الاسلام والزندقہ، تعلیق وتخریج: محمود بیجو، مکتبہ دار البیروتی، ط:1، ۱۹۹۲ص، 61ص، 23

(28) قرطبی: ج، ص، 192

(29) ابوبکر عبدالرزاق بن الہمام: مصنف عبدا لرزاق ج، 10، المجلس العلمی، جنوب افریقیاص، 150

(30) غزالی: احیاء العلوم، مکتبہ مطبعہ کریاتہ فوترا، سماروغ، اندونیشیا، بدون سن ج، 1، ص، 22

(31) الاقتصاد فی الاعتقاد، (ضبطہ وقدم لہ: مونس الفوزی الجسر) ط، 1، 1994، ص، 211

(32) فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ. 61 ۔تکفیر کے مسئلے پر علمائے سلف میں غزالی نے نہایت متوازن اور روادارانہ موقف اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔ غزالی کے موقف پر تجزیاتی مطالعہ کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون: ''غزالی اور مسئلہ تکفیر''، سالنامہ کتابی سلسلہ ''الاحسان'' الہ اباد: شاہ صفی اکیڈمی 2012

(33) احمد امین: ضحیٰ الاسلام، قاہرہ، مکتبہ النہضۃ المصریۃ بدون سنہ ج، ا ص۔ 141-140

(34) ایضا

35۔ طہ جابر علوانی: ''جدید فکری بحران نشاندہی اور حل'' اردو ترجمہ: عبدالحفیظ رحمانی نئی دہلی: قاضی پبلشرز، 1994 ص 42-41

36 ۔حوالے کے لیے دیکھیے انٹرویو: یوگیندر سکندا از نجات اللہ صدیقی

http://www.lubnaa.com/article.php?id=65-

سالانہ زرتعاون میں ناگزیر اضافہ

کاغذ اور طباعت کے اخراجات میں مسلسل اضافے کے پیش نظر زیر نظر شمارے سے 'الشریعہ' کا سالانہ زرتعاون ۲۵۰ روپے سے بڑھا کر ۳۰۰ روپے مقرر کیا گیا ہے۔

خریدار حضرات نوٹ فرمالیں۔ (ادارہ)